© rasailojaraid.com

پروفیسر امین اللہ وثیر

عربوں کا اندلس

(۲)

اندلسیوں کی مشرقیت

تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود ہر قسم کی عیش و عشرت کے یہ لوگ ہمیشہ مشرقیت کو اپناتے رہے۔ ان کے احساسات و تصورات کی دنیا کبھی مغربی نہ بن سکی۔ شعری بحریں وہی رہیں جو جاہلیت، صدر اسلام اور اموی دور میں رائج تھیں۔ اقسام شعر وہی حماسہ، ہجا، رثا، مدح و ذم، فخر و مباہات، نسیب اور حکمت کے مضامین پر مشتمل رہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہ آسکی۔ ہاں البتہ نظم میں زہد و تصوف اور مسائل فلسفہ کا اضافہ ہوا۔

ان کے ہاں استنجاد بملوک الاسلام اور استغاثہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مضامین بھی مشرق سے زیادہ پُراثر اور درد انگیز طرز میں بیان کیے جاتے تھے۔ پھر یہ لوگ مسلمانوں کے شاندار ماضی اور اسلاف کی برباد شدہ سلطنتوں کے مرثیے کہنے میں بھی مشرقیوں سے زیادہ ماہر تھے اور اس سلسلے میں ان پر فوقیت رکھتے تھے۔ ابن عبدون نے جو مرثیہ بنو الافطس کے بارے میں کہا تھا بڑا مشہور و معروف ہے۔

الدھر یفجع بعد العین بالاثر فما البکاء علی الاشباح والصور

ایک مشہور مستشرق (Henery Peres) اپنی کتاب "الشعر الاندلس فی القرن الحادی عشر" میں اندلسیوں کی اس بات پر بڑے تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ:

"وہ ہمیشہ مشرقی بننے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ بعینہٖ مشرق والوں جیسے نام رکھتے تھے، چنانچہ محمدؐ بن سعد، اصمعی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حمدہ بنت زیاد، خنسا کے نام سے مشہور تھی۔ اور ابن زیدون کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بحتری الغرب" کے عظیم خطاب سے نوازا گیا۔"

آگے چل کر لکھتا ہے،

"بغداد اندلسیوں کی نظر میں تمام شہروں سے زیادہ اشرف و افضل تھا۔ وہ ان کے نزدیک جنتِ ارضی کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے کہ وہ عظیم المرتبت شعراء ـــــ ابو تمام، بحتری، ابن رومی، متنبی اور ابوالعلاء المعری کا وطن تھا۔"

اندلسی عربوں نے یونانی اور رومانی شعر سے زیادہ تعلق قائم نہ کیا۔ اسی وجہ سے اعراض و انواعِ شعری میں کوئی نئی اور جدید تخلیق نہ کر سکے۔ بلکہ ہمیشہ اپنے وطنِ قدیم ـــ عرب ـــ کو اپنی نظموں میں یاد کرتے رہے۔ اس کا اشتیاق و حنین اُن کے دلوں میں جوش مارتا رہا۔ سب سے زیادہ اُن کی اسلامیت اُنھیں مرکزِ اسلام ـــ مکۂ معظمہ ـــــ کی طرف متوجہ کرتی رہی۔ اس لحاظ سے ان کا ادب دینی ادب تھا۔ اُن کی مشرقیت نوازی کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ یہ کہ اس وقت عربی سلطنت تقریباً سارے مشرق و مغرب پر محیط تھی۔ اس کا پھریرا دنیا کے اکثر حصے پر لہرا رہا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو کسی اور طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ تمام قسم کے سامانِ تعیش اور ناز و نعمت کی فراوانی کے باوجود یہ لوگ دین و مذہب کے معاملے میں بڑے پابندِ اصول اور متشدد تھے۔

مشہور شہر

اگرچہ سارا سپین ان عربوں کی بدولت دنیا کا بہترین خطہ بن گیا اور اس کا ایک ایک ذرہ قابلِ یادگار چیز ثابت ہوا۔ لیکن یہاں خاص طور پر دو شہروں ـــ قرطبہ اور اشبیلیہ ـــ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرطبہ

سید امیر علی نے اس شہر کے حالات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے،

"قرطبہ وادی الکبیر کے دائیں کنارے پر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ عرب حکمرانوں نے باری باری اس شہر کی رونق بڑھانے کی کوشش کی۔ عبدالرحمٰن نے آب رسانی کے لیے ایک بند بندھوایا۔ اس کے جانشینوں نے بھی کئی بند بندھوائے۔ یہاں تک کہ قرطبہ کی آب رسانی تمام شہروں سے بہتر ہو گئی۔ پانی نلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذریعے شہر میں لایا جاتا تھا۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ شہر میں فواروں کی کثرت تھی۔ ۹۴۰ء میں عبدالرحمٰن سوم نے ایک بہت بڑا بند تعمیر کرایا۔ اس نے ایک عالیشان مسجد کی بنیاد بھی رکھی۔ عرب حکمرانوں نے ہسپانیہ کے طول و عرض میں مسجدوں، مکتبوں، پلوں اور قلعوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا۔ قرطبہ کی عظمت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:

"ایک شخص رات کے وقت لیمپوں کی روشنی میں دس دس میل تک جا سکتا تھا۔"

"یہ شہر چوبیس میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا۔ وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر عالیشان محل کھڑے تھے۔ شہر کے مضافات میں ستائیس بارونق بستیاں آباد تھیں۔ ہر حصے کے لیے الگ الگ سیرگاہیں تھیں قرطبہ میں ہر کھاتے پیتے شخص کو کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔"

قرطبہ سے چار میل دور عبدالرحمٰن ثالث نے الزہرا کے نام سے ایک بہت ہی خوبصورت محل بنوایا۔ یہ سارا سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کے مشرقی ہال کو بہترین تصویروں سے سجایا گیا تھا۔ اس کے فواروں پر مختلف قسم کے جانوروں کے مجسّمے بنے ہوئے تھے۔ جن کے منہ سے پانی نکلتا رہتا تھا۔ شاہی محل کے باغات میں دنیا بھر کے چرند پرند موجود تھے۔ دیوانِ عام خوبصورتی اور سجاوٹ کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ شاہی محل کے اطراف میں امیروں اور وزیروں کے بھی بہت سے محل تھے۔

قرطبہ کے زمانہ عروج میں وہاں تین ہزار آٹھ سو مسجدیں، ساٹھ ہزار محل، دو لاکھ مکان، سات سو حمام اور اسی ہزار دکانیں تھیں۔ یہ شہر شان و شوکت میں بغداد سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس کی شہرت جرمنی کے اندرونی علاقوں تک جا پہنچی تھی۔ اس شہر کی آبادی دس لاکھ تھی۔ ایک سیکسن راہبہ نے اسے "آسائشِ عالم" کا نام دیا تھا۔

حکم نے تعلیم عام کرنے کے لیے قرطبہ میں ستائیس اسکول ایسے جاری کیے جہاں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ان طالب علموں کو کتابیں بھی مہیا کی جاتی تھیں۔ یہاں کی یونیورسٹی قاہرہ کی ازہر اور بغداد کی نظامیہ کے ہم پلہ تھی۔ ہسپانیہ میں تقریباً ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت نصرانی یورپ میں سوائے بڑے بڑے پادریوں کے عہدیدار تک لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

شہر میں ایک بڑا شاہی کتب خانہ تھا جس کی کتابوں کی فہرست چالیس جلدوں میں تھی۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک خاص افسر مقرر تھا۔ قرطبہ نہ صرف علوم و فنون اور صنعت و حرفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مرکز تھا بلکہ پہلا مقام تھا جہاں شولری (Chivalry) پیدا ہوئی۔ یہ عربوں کی سیرت کا ایک جز ہے۔ لیکن اس کے قواعد و ضوابط اور آداب جو آگے چل کر غرناطہ میں عروج کو پہنچے ان کی بنیاد قرطبہ ہی میں الناصر وغیرہ کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ اس عہد میں عورتوں کے احترام کا دستور مرتب ہوا:

"زمانہ مابعد میں یورپ کے ملکوں میں جس شولری کا چرچا ہوا وہ الناصر اور منصور کے عہد میں ترقی کر چکی تھی۔ قرطبہ میں غیر ملکی بہادر، عرب شہسواروں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے پوری حفاظت سے پہنچائے جاتے تھے۔"

اپنی محبوبہ کا نام لے لے کر پکارنے کے دن بیت گئے تھے۔ اب اپنی بہادری اور مردانگی کا مظاہرہ کرنے والے اپنی اپنی محبوبہ کی محبت کا نشان بازو پر باندھ کر، یا خود پر لٹکا کر کرتے، اس قسم کے ٹورنامنٹ اور مقابلے قرطبہ میں عام تھے۔ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے عرب خواتین بھی موجود ہوتی تھیں۔ ابو عبداللہ الحمیری کا بیان ہے:

"قرطبہ شہر بذاتِ خود پانچ شہروں کا مجموعہ تھا۔ ہر ایک کے درمیان فصیل حائل تھی اور سب کے دروازے تھے۔ شہر میں بڑے بڑے بازار، چوڑی گلیاں، حمام اور تمام قسم کی مصنوعات موجود تھیں۔ شہر حسن و جمال کا مظہر تھا اور دریا پر ایک بڑا شاندار پل تعمیر کیا گیا تھا۔ جامع مسجد فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھی۔"

پروفیسر حتّی کا بیان ہے:

"اُس زمانے میں قرطبہ یورپ کا سب سے زیادہ خوبصورت اور تہذیب یافتہ شہر تھا۔ اس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی تھی۔ بیرونی لوگ اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ اس میں میلوں لمبی ہموار سڑکیں تھیں، اور ہر سڑک روشنی سے منوّر، اندازہ کیجیے کہ —— اس کے سات سو سال بعد تک لندن میں ایک بھی پبلک لیمپ موجود نہ تھا اور پیرس میں صدیوں بعد بھی اگر کوئی شخص بارش برسنے کے بعد گھر سے باہر نکلتا تو گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس جاتا تھا۔ اس دارالحکومت کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی اور جرمنی میں ایک راہبہ نے قرطبہ کو "دنیا کا زیور" قرار دیا تھا۔

اشبیلیہ

قرطبہ کے بعد اشبیلیہ کا نمبر آتا ہے۔ یہ شہر جبل الشرف کے دامن میں واقع تھا اور موسیٰ بن نصیر کے بعد بہت سے گورنروں کا پایۂ تخت رہا۔ دونوں شہروں کے درمیان تین دن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مسافت تھی۔ اس کی فصیل بڑی مضبوط تھی۔ بازار پُر رونق اور پرہجوم تھے۔ یہ شہر تجارت کی بڑی منڈی تھا۔ سڑکیں بڑی خوبصورت تھیں۔ بے شمار حمام تعمیر کیے گئے تھے۔ پاس ہی ایک نہر بہتی تھی۔ جامع مسجد بڑی شاندار تھی۔ فوج کی چھاؤنی بھی تھی۔ قریب ہی بڑے خوبصورت چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے۔ اشبیلیہ کا دربار شان و شوکت کے لحاظ سے قرطبہ کے مقابلے میں دوسرے درجے پر آتا تھا۔

ملوک الطوائف

وہ شاندار سلطنت جسے عبدالرحمٰن ثالث نے اپنی قوت بازو اور جرأت و ہمت سے پروان چڑھایا تھا ۱۰۳۱ء میں بے شمار مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی اور تقریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے جنم لیا۔ اُس زمانے کے امراء کو "طوائف الملوک" اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب اندلس میں بنوامیہ اور بنو حمود کے بعد سلطنت کمزور پڑ گئی تو ہر جانب سے موالی، وزراء، عرب سردار نیز چھوٹے چھوٹے بربر افسر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اس طرح سلطنت کا کاروبار مختلف گروہوں اور مختلف طبقوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ان سرداروں اور قبائل کے سرگروہوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے خود بخود کمزور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے یورپی بادشاہوں کو خراج ادا کیا۔ بالآخر یوسف بن تاشقین مراکش سے آیا اور اس نے غیر مسلم قوتوں کو دو بار نکال باہر کیا۔ حتّی کے الفاظ میں:

"۱۰۳۱ء میں قرطبہ کی اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے کھنڈروں سے چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کا ایک جھرمٹ پیدا ہوا، جنھوں نے ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی طاقت کھو دی۔ اس قسم کی بیس چھوٹی چھوٹی عارضی ریاستیں قائم ہو گئیں۔"

ان ریاستوں میں سے بعض اتنی بے طاقت اور کمزور تھیں کہ دوسرے ہمسایوں نے انھیں ہڑپ کر لیا، اور وہ اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ یہی بے چینی اور اضطراب کا زمانہ "عصر ملوک الطوائف" کہلاتا ہے۔ یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ بے اطمینانی اور خانہ جنگی کی یہ حالت تقریباً ستر سال تک قائم رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملوک الطوائف میں سب سے اہم اور مضبوط قرطبہ کی حکومت بنی جہور اور اشبیلیہ کی حکومت بنی عباد تھیں۔ ان کے علاوہ طلیطلہ اور سرقسطہ کی بنو ذی النون اور بنو ہود، بطلیوس کے بنو الافطس اور غرناطہ کے بنو احمر کی حکومتیں بھی خاصی شہرت کی مالک تھیں۔ بقول نکلسن:

"اندلس کی یہ حالت بعینہٖ پندرھویں صدی عیسوی کے اٹلی سے مشابہ تھی۔"

اگر غور کیا جائے تو نکلسن کی یہ تشبیہ اندلس کے اس عہد کی اصلی حالت کا مکمل نقشہ پیش کرتی ہے۔

ملوک الطوائف کے درمیان ہمیشہ سیاسی اور ملکی جھگڑے برپا رہے۔ اکثر قتال و جدال تک بھی نوبت پہنچ جاتی۔ لیکن یہ لوگ اس عظیم خانہ جنگی کی تباہ کاریوں اور دوسرے نتائج کی ہولناکیوں سے قطعاً بے پروا اور بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ شمال کے نصاریٰ نے ان کی اس بدحالی سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے اپنی بکھری ہوئی صفوں کو درست کیا اپنی ضائع شدہ قوت کو مجتمع کیا اور پھر مسلمانوں کے شہروں، قصبوں، قلعوں اور سرحدوں پر بلغار شروع کر دی۔

بقول محمود مصطفیٰ:

"ان شہروں سے اسلام کا آفتاب غروب ہونے کو تھا اور شاید قدرت کو خود بھی یہی منظور تھا اس لیے ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے دلوں میں کینہ اور بغض و حسد کی آگ بھڑک گئی۔ انھوں نے اپنے آپ کو خود اپنے ہی ہاتھوں ہلاک کر ڈالا۔ بعض نے بعض کے خلاف نصاریٰ سے مدد و اعانت چاہی۔ یہاں تک کہ طالب اور مطلوب علیہ دونوں کے دونوں کمزور پڑ گئے اور اس طرح دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔"

اس وقت اندلس کے علماء و فقہاء ملک کی اس خطرناک صورت حالات کو اچھی طرح محسوس کرتے رہے تھے۔ اب حکمرانوں اور ارباب حل و عقد کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی مملکت کو چھوڑ کر ملک بدر ہو جائیں اور عیسائیوں کے لیے راستہ صاف کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اندلس سے باہر کے کسی مسلمان طاقت و حکمران سے مدد طلب کی جائے۔ علماء اور ارباب دانش نے اس دوسرے طریقے کو زیادہ مناسب اور اقرب الی الصواب سمجھا۔ امراء دولت نے بھی ان کی تائید کی اور ان کی رائے پر صاد کیا۔ چنانچہ ایک سفارت جو قاضی بطلیوس، قاضی غرناطہ، قاضی قرطبہ اور وزیر اشبیلیہ پر مشتمل تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر المغرب یوسف بن تاشفین کی طرف روانہ کی گئی۔ یوسف اس وقت کے تمام مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ طاقت ور اور صاحب جرأت وہمت انسان خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہا اور اندلس کی سرزمین پر جا اترا۔ اسی بطل جلیل کی بدولت دوبارہ اسلام اور مسلمانوں کے قدم سپین میں مزید چار سو سال کے لیے جم گئے۔

علمی و ادبی حالات

یہ تو تھی اندلس کی سیاسی پسماندگی کی حالت گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں۔ لیکن انحطاط و تنزل اور پستی کے باوجود حرکت علمی و ادبی قوی سے قوی تر ہوتی چلی گئی۔ ایک طرف سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور دوسری طرف بزم علم و ادب کی رونق دن بدن دوبالا ہوتی جا رہی تھی۔

"ملوک الطوائف" بذاتِ خود عظیم القدر علماء و فضلاء میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اُن کے دربار ہر وقت مختلف وفود کے لیے منزل مقصود، سخاوت و فیاضی کے سرچشمے، ارباب حاجت کی امیدوں اور تمناؤں کی قبلہ گاہ، اور اہل فضل و کمال، ادیبوں اور شاعروں کی آماجگاہ بنے رہتے تھے۔

سید امیر علی کے الفاظ بڑے پُرشکوہ اور حقیقت کے آئینہ دار ہیں:

"مالا ٹوٹ گئی اور موتی بکھر گئے، چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کرلیں۔ اس پر بھی علم و حکمت کا دیا جلتا رہا۔ علوم و فنون پر زوال آنے کی بجائے انھیں اور بھی فروغ اور ترقی حاصل ہوئی۔"

فتن و شر سے بھرا ہوا یہ دَور بھی اندلس کے عربی و اسلامی ادب کے لیے رحمت بے پایاں ثابت ہوا۔ اُس زمانے میں علماء و فضلاء کا قرطبہ سے بھاگ جانا ہی نعمتِ عظمیٰ تھا۔ یہ لوگ مختلف اطرافِ ملک، دیہات اور شہروں میں پھیل گئے۔ ان کے سینوں میں علم وافر کی نہریں جاری تھیں۔ ان کے علم و فضل کے خزانے لبا لب بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے جہاں کہیں بھی نرم مٹی موجود پائی اور زرخیز زمین دیکھی، وہیں علم و ادب کے بیج بو دیے۔ اس سے بڑے لذیذ اور شیریں ثمرات پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کی محنت بارآور ہوئی اور عوام علوم ریاضیہ اور فلسفہ کی طرف ٹوٹ پڑے۔ قاضی صاعد الاندلسی اپنی کتاب "طبقات الامم" میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جب ملوک الطوائف کا زمانہ آیا تو لوگوں نے اُن کتابوں میں جو قرطبہ سے مختلف شہروں اور دیگر اطراف و جوانب ملک کو منتقل کی گئی تھیں بے شمار مفید اور قابل قدر خزانے مدفون پائے۔ ہر صاحب علم کے سینے میں جتنا کچھ اور جو کچھ علم موجود تھا یکایک باہر ابل پڑا اور علوم قدیمہ کی طلب و جستجو میں دن بدن رغبت بڑھنے لگی۔ الحمد اللہ آج کی حالت اندلس کی گذشتہ حالت اعراض عن العلم سے بدرجہا بہتر ہے۔"

"عصر الملوک" میں جو کہ مختلف قسم کی سیاسی اور اجتماعی برائیاں اپنے اندر رکھتا تھا، سب سے بڑا کارنامہ یہ ظہور پذیر ہوا کہ عام لوگوں کے اندر بھی غور و فکر، تحقیق و تدبیر، تجسس و تفحص، اور طلب و جستجو کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ ابو الولید الشقندی لکھتا ہے:

"جب یہ اعلیٰ درجے کا نظام سیاسی تار تار ہوگیا اور یہ عظیم سلطنت مختلف شہروں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تو اس تفریق سلطنت میں بھی ایک بڑی نعمت پوشیدہ تھی۔ یعنی علماء و فضلاء اور ارباب علم و دانش کا ظہور ـــــ علوم و فنون کا بازار گرم ہوگیا۔ لوگ نظم و نثر میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور بازی جیت جانے کی کوششوں میں مشغول ہوگئے۔ اس زمانے میں بادشاہوں اور امراء و رؤساء کے اتنے پُر شکوہ اور عظیم الشان قصائد لکھے گئے کہ اگر اس خوبصورت انداز اور شاندار اسلوب میں تار و تاریک رات کی بھی تعریف و توصیف کی جاتی تو وہ تابناک سورج والے دن سے بھی زیادہ روشن ہوجاتی۔"

ان عظیم المرتبت علماء و فضلاء کی سب سے بڑی صفت اور جذبۂ خیر و صلاح یہ تھا کہ ان کی اکثریت ریاکاری اور ظاہر پسندی سے بڑی متنفر تھی۔ یہ لوگ غلط سلط تعریف و تحمید اور بے جا مدح و ثنا کو بڑی ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ "ابو غالب اللغوی" نے ایک کتاب تصنیف کی۔ ملک دانیہ مجاہد العامری نے اُسے ایک ہزار دینار کی پیش کش کی لیکن شرط یہ لگائی کہ یہ کتاب اُسی (مجاہد) کے نام سے معنون کر دی جائے۔ ابو غالب اس بات پر راضی نہ ہوا۔ اُس نے اس گراں قدر عطیے کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ کتاب جسے میں نے عوام الناس کے فائدہ اور نفع کے لیے لکھا اور اس کی تدوین و تالیف میں اپنی پوری جدوجہد اور محنت و کوشش صرف کر دی، اب اسے دوسروں کے نام معنون کر دوں اور صرف اس بات پر فخر کروں کہ ایک بادشاہ کی چشم کرم مجھ پر آپڑی۔ نہیں میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

جب مجاہد کو اس کی خبر لگی تو بجائے غم و غصہ سے بھر جانے اور ملال پیدا ہونے کے اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوغالب کی بڑی تعریف کی اور بغیر کوئی شرط لگائے اس انعام کو دگنا کر دیا۔

اس عصر الملوک کی مثال اور نظیر ساری تاریخ اسلامی میں ملنی مشکل ہے جو ہر قسم کے علم و فن کے اعتبار سے سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا۔ اس مختصر سے پُراضطراب زمانے میں اتنے زیادہ اعلیٰ پائے کے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس زمانے میں شعر و شاعری اور بار کی محفلوں اور امرا کے عالیشان محلات کی چار دیواری سے، صناعوں اور عام پیشہ وروں کی دکانوں، کسانوں کے کھیتوں اور محنت مزدوری کرنے والے عام انسانوں کی جھونپڑیوں میں پہنچ گئی۔ ان عام اور متوسط درجے کے انسانوں میں سے تقریباً ہر شخص بہترین قسم کی نظم تخلیق کر سکتا تھا۔ قزوینی نے بیان کیا ہے:

"اہل شلب سب کے سب شعر کو خوب جانچ سکتے تھے اور اس پر بہت اچھی تنقید کر سکتے تھے۔ اگر تم کسی کھیت میں چلے جاؤ اور وہاں کسان سے باتیں کرو۔ تم اس سے کوئی شعر پوچھو یا شاعری کے متعلق کسی قسم کا سوال کرو تو وہ تمھیں فی البدیہہ اور ارتجالاً ہر موضوع کے بارے میں شعر ہی میں جواب دے گا۔"

جنس لطیف بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ اس ضمن میں اکیلی رلّادہ کا نام لینا ہی کافی ہوگا۔ رلّادہ دولت بنی عباد کے علم و ادب کی سربراہ تھی۔

اس زمانے میں اگرچہ لیسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ مختلف عناصر ایک دوسرے کو ملیا میٹ و نابود کر دینے کے بری طرح درپے رہے لیکن یہ دلچسپ رجحان بھی واضح تھا کہ مختلف الفطرت انسانوں اور ثقافتوں میں ہم آہنگی اور ربط پیدا کیا جائے۔ دولتِ عبادیہ کا اس سلسلے میں مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں اتنے بہترین صاحبان علم و کمال اور اعلیٰ درجے کے شعراء و ادبا جمع ہو گئے تھے کہ کہیں اور موجود نہ تھے یہ سب کے سب ——— اصحاب المعانی الدقیقۃ والخیال الرقیقۃ و الالفاظ العذبۃ ——— تھے۔ ان میں سے عبدالجبار بن حمدیس الصقلی، ابوبکر بن زیدون، ابوبکر بن طلباز، عبدالجلیل بن وصبون اور الوزیر البالش، ابوبکر ابن عمار کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے آقا و ممدوح امیر المعتمد عبادی کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ جس نے اپنے زمانۂ قید و بند کے قصائد اور حزنیہ نظمیں ہمارے سپرد کیں جو اس کے غمزدہ، مضطرب و مایوس دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلی ہوئی ہیں ——— وہ دل جو کبھی خشوع و خضوع اور ضعف و عاجزی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعارف نہیں ہوا۔ جس نے کبھی مصائب و آلام دنیوی کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے اور اُن سے کسی صورت ہار نہیں مانی۔ وہ کہتا ہے اور کتنی سچی باتیں اس کی زبان سے نکلی ہیں؛

قالوا: الخضوع سیاسة فلیبد منك لهم خضوع

والذ من طعم الخضو ع علی فمی السم النقیع

ما سرت قط الی القتال وکان من املی الرجوع

شیم الالیٰ انا منهم والاصل تتبعه الفروع

اندلس کے ان درباروں اور محلات کے پورے پورے حالات لکھنا بڑا دشوار ہے۔ مختصر طور پر اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ المقتدر اور المؤتمن (بنوہود) خود فلسفی علما تھے۔ المؤتمن علوم ریاضیہ میں بھی بڑا ماہر اور قابل تھا۔ اس فن میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ وہ فلسفہ نجوم اور حساب کی اشاعت و ترویج کا بڑا دلدادہ اور دھنی تھا۔ بنوہود کے زیر سایہ بہت سے فلاسفہ مثلاً ابن جبرون اور ابن ماجہ وغیرہ پرورش پا رہے تھے۔ انھیں کے زیر تربیت الطرطوشی مؤلف "سراج الملوک" نے زندگی بسر کی۔

بنو ذی النون بھی انصار علم و ادب میں سے تھے۔ ان کے دربار میں باکمال علما و فضلاء کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ مثلاً ابراھیم بن یحیی النقاش المعروف بہ ابن الزرقیال۔ یہ شخص کواکب و نجوم کا بڑا ماہر اور مانا ہوا تھا۔ محمد بن بصال صاحب "کتاب الفلاحہ" وفاتش النحوی وغیرہم بھی اسی دربار کے تابندہ و درخشاں ستارے تھے۔

بطلیوس بھی ادب و ثقافت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں بنو افطس کا دور دورہ تھا۔ مظفر بن افطس خود بھی ادب و فن کا ماہر تھا۔ اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اس کو ادبیات خصوصاً شعر و شاعری سے اس قدر رغبت اور وابستگی تھی کہ وہ کہا کرتا تھا "جس کے اشعار المتنبی اور المعری کے ہم پایہ نہ ہوں وہ خاموش بیٹھا رہے۔" اس زمانے میں بطلیوس علم و ادب اور شعر و انشاء کا گھر تھا اور مظفر فصحاء و بلغاء کا کعبۂ مقصود۔

"القلائد" میں فتح ابن خاقان نے اس کی صفاتِ عالیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی دربار میں ابن عبد البر القرطبی مشہور فقیہ و محدث تھے۔ الوزیر ابن عبدون نے بھی اپنے ایک مشہور قصیدے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بنو افطس کا ذکر کیا ہے۔ اس قصیدے کا تذکرہ ابن خطیب نے "اعمال الاعلام" میں کیا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ قصیدہ اس اعتبار سے بڑا اہم اور ممتاز ہے کہ اس میں بطور موعظت و عبرت ان بڑے بڑے مصائب و آلام تاریخیہ کا ذکر موجود ہے جو دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کو پیش آئے اور جن کی وجہ سے اکثر بادشاہوں کے تاج و تخت چھن گئے۔ ان واقعات و حادثات میں انسان کو صبر و تسکین کا سبق دیا گیا ہے کیونکہ جب سے تاریخ کا ظہور ہوا ہے انسانیت انھیں غموں اور انھیں تکلیفوں میں مبتلا چلی آ رہی ہے۔

اُس زمانے کے ام العواصم قرطبہ کا سب سے زیادہ قابلِ فخر و مباہات شخص ابن حزم ہے صاعد الاندلسی اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"وہ اہل اندلس میں سب سے زیادہ جامع شخص ہے جو تمام علوم اسلامیہ کا ماہر ہے۔ علم بیان، بلاغت، شعر، سیر و اخبار، اور منطق و فلسفہ میں اس کی معلومات کا دائرہ تمام علماء سے زیادہ وسیع ہے خود اس کے لڑکے نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے پاس اپنے باپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تقریباً چار سو کتابیں ہیں۔"

ایک یوروپین مورخ ابن حزم کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"ابن حزم اپنی تصنیف "الملل والنحل" کی بدولت یورپ پر کئی صدیوں سے سبقت لے جا چکا ہے۔ کیونکہ تاریخ مذاہب یورپ میں کہیں انیسویں صدی میں جا کر مرتب ہوئی۔"

قرطبہ میں "ملوک الطوائف" کے عہد کے شعراء، ادباء اور فضلاء بے شمار تھے۔ وہاں بڑے بڑے مؤرخ پیدا ہوئے جن کی علمیت و فضیلت ایک مسلّمہ امر ہے۔ اُن میں سے ابو مروان ابن حیان صاحب "التاریخ الکبیر" —— جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی ہے —— بہت مشہور شخص ہے بلنسیہ اور مرسیہ کے درباروں کا تذکرہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہاں بنو طاہر اور بنو صمادح برسرِ اقتدار تھے۔ ان کے دربار وزیر ابن عباس، ابن عبادہ، ابن شہید، ابن اشرف الباجی اور ابو عبداللہ بن الحداد کی وجہ سے روشن و تابناک تھے۔ بلکہ بنو صمادح کے تقریباً تمام امراء بھی مشہور شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے ہاں کے بہت سے علماء جغرافیہ میں سے ابوالحسن اللغوی (۴۸۵ھ) کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔

"ملوک الطوائف" کے عہد حکومت میں شعر و شاعری انتہا کو پہنچ گئی۔ اندلس کے لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے شاعروں کو اپنے لیے باعث فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ وہ کلام اور حالات زندگی جمع کرتے اور انھیں اپنے بیاض میں نقل کر لیتے تاکہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شعراء بھی اپنی اپنی عظمت و شہرت کی خاطر ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس لیے ان کا ادب نکھر گیا اور اس میں پاکیزگی اور صفائی پیدا ہو گئی۔ ان کے کلام میں لطافت و حلاوت اور حسن و نزاکت، ماقبل و مابعد کے زمانوں سے بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔

اشبیلیہ میں معتضد بن عباد نے ایک شاندار محل بنوایا جس میں ہر طبقے کے شاعر جمع ہوتے اور مجالس شعر و ادب قائم ہوتیں۔ اس زمانے میں شوکت علمی و ادبی اتنی عام ہو گئی تھی کہ کوئی فقیہ، کوئی نحوی، کوئی متکلم، کوئی فیلسوف، طبیب، ریاضی داں اور کوئی مؤرخ و عالم ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو اور اس کی طرف رغبت نہ رکھتا ہو۔ اس زمانے کی شاعری میں ایک قابل ذکر جدت رونما ہوئی اور وہ ہے تصوف و فلسفہ کے مضامین کی زیادتی۔ اس صنف میں ابن العربی اور ابن سبعین زیادہ مشہور ہوئے۔ اسی عہد میں اخوان الصفا کے رسائل اندلس میں داخل ہوئے۔ اس دور کی شاعری اور حکم و امثال میں ان رسائل کی بے شمار تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ الادب الاندلسی کا مصنف لکھتا ہے کہ بعض لوگوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ مجریطی الاندلسی ہی ان کا مصنف و مؤلف تھا۔

یہ بزم علم و ادب قائم رہی تا آنکہ عربوں کو سپین سے کلیتہً ملک بدر کر دیا گیا اور اس ملک میں ان کی تہذیب و تمدن کا آفتاب غروب ہو گیا۔ بقول (Joseff Mouabe)

"یہ خبریں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اندلس ہی کے مسلمان ہیں جنھوں نے اس نئی تہذیب و مدنیت کی بنیاد رکھی۔"

ماخذ: (۱) ابوعبداللہ الحمیری: روض المعطار (۲) لیبان: تمدن عرب (۳) سکاٹ، ایس۔پی۔: اخبار الاندلس (۴) ابن خلدون: کتاب العبر و دیوان المبتدأ و الخبر (۵) ابن الاثیر: الکامل فی التاریخ (۶) احمد بلافریج، عبدالجلیل خلیفہ: الادب الاندلسی (۷) محمود مصطفیٰ: الادب العربی و تاریخہ (۸) بہیم محمد جمیل: قواخل العروبۃ و مواکبہا۔ (۹) کامل گیلانی: نظرات فی تاریخ الادب الاندلسی (۱۰) انتظام اللہ شہابی: تاریخ ملت (ہسپانیہ) (۱۱) المقری: نفح الطیب (۱۲) محمد علیم، ابوبکر: الدر المخزون (۱۳) صاعد الاندلسی: طبقات الامم (۱۴) فلپ کے حتی: ہسٹری آف دی عربس (۱۵) امیر علی سید (مترجم باری علیگ): تاریخ اسلام

© rasailojaraid.com